

ڈاکٹر سر محمد اقبال

(1877 - 1938)

اقبال کی پیدائش سیالکوٹ میں ہوئی۔ انھوں نے مولانا سید میر حسن سے عربی و فارسی پڑھی۔ سیالکوٹ سے ہی انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ بعد میں لاہور سے بی۔ اے اور ایم۔ اے کے امتحانات میں کامیابی حاصل کی۔ انھیں شاعری کا شوق لڑکپن سے تھا۔ چند غزلوں پر داغ دہلوی سے اصلاح لی۔ داغ کی شاعری کا رنگ اقبال کی دو چار ابتدائی غزلوں میں نمایاں ہے۔ اقبال نے 1905 میں یورپ کا سفر کیا۔ پہلے کیمرج گئے پھر جرمنی کی ہائیڈل برگ یونیورسٹی سے ایرانی فلسفے اور تصوف پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ لندن واپس آکر بیرسٹری کی تعلیم حاصل کی۔ 1908 میں ہندوستان آگئے۔ وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ 1915 میں انھوں نے اپنی مشہور فارسی نظم ”اسرارِ خودی“ میں فلسفہ خودی کا نظریہ پیش کیا۔ 1918 میں ”رموز بے خودی“ کی اشاعت ہوئی۔ انگریزی حکومت نے انھیں ”سر“ کا خطاب دیا۔ انھوں نے عملی سیاست میں بھی حصہ لیا۔

اقبال نے اردو شاعری کو نئی سمت اور نئے پہلوؤں سے روشناس کرایا۔ ان کی نظموں میں بہت نغمگی اور ترنم ہے۔ انھوں نے اردو غزل کو بھی ایک نیا انداز عطا کیا۔ ”بانگ درا“ اردو میں ان کا پہلا مجموعہ کلام ہے۔ اس کے بعد اردو میں ”بالِ جبریل“ اور ”ضربِ کلیم“ کے نام سے دو اور مجموعے سامنے آئے۔ ”ارمغانِ حجاز“ ان کا چوتھا مجموعہ ہے جس میں فارسی اور اردو دونوں زبانوں کا کلام شامل ہے۔

شعاع اُمید

سورج نے دیا اپنی شعاعوں کو یہ پیغام
مدّت سے تم آوارہ ہو پہنائے فضا میں
نے ریت کے ذروں پہ چپکنے میں ہے راحت
پھر میرے تجلی کدّہ دل میں سما جاؤ

دنیا ہے عجب چیز کبھی صبح، کبھی شام
بڑھتی ہی چلی جاتی ہے بے مہری ایام
نے مثل صبا طوفِ گلِ ولالہ میں آرام
چھوڑو چمنستان و بیابان و در و بام

آفاق کے ہر گوشے سے اُٹھتی ہیں شعاعیں
اک شور ہے مغرب میں اُجالا نہیں ممکن
مشرق نہیں گو لذتِ نظارہ سے محروم
پھر ہم کو اسی سینہ روشن میں چھپالے

بچھڑے ہوئے خورشید سے ہوتی ہیں ہم آغوش
افرنگ مشینوں کے دھوئیں سے ہے سیہ پوش
لیکن صفتِ عالمِ لاہوت ہے خاموش
اے مہرِ جہاں تاب نہ کر ہم کو فراموش

اک شوخ کرن، شوخ مثالی نگہ حور
بولی کہ مجھے رخصتِ تنویر عطا ہو
چھوڑوں گی نہ میں ہند کی تاریک فضا کو
خاور کی امیدوں کا یہی خاک ہے مرکز

آرام سے فارغ صفتِ جو ہر سیماب
جب تک نہ ہو مشرق کا ہر اک ذرہ جہاں تاب
جب تک نہ اُٹھیں خواب سے مردانِ گراں خواب
اقبال کے اشکوں سے یہی خاک ہے سیراب

چشمِ مہ و پرویں ہے اسی خاک سے روشن
اس خاک سے اُٹھے ہیں وہ غواصِ معانی
جس ساز کے نغموں سے حرارت تھی دلوں میں
بت خانے کے دروازے پہ سوتا ہے برہمن

مشرق سے ہو بیزار نہ مغرب سے حذر کر
فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر

مشق

لفظ و معنی

آوارہ	:	بے مقصد گھومنے پھرنے والا
پہنائے فضا	:	فضا کی وسعت
بے مہری ایام	:	زمانے کی بے مروتی، ناقدری
طوف	:	طواف، کسی چیز کے گرد چکر لگانا
گل	:	گلاب کا پھول
تجلی کدہ	:	روشن جگہ
درو بام	:	دروازہ اور چھت، آبادی مراد ہے
چمنستاں	:	پھولوں کا باغ
بیابان	:	جنگل، ویرانہ
ہم آغوش ہونا	:	ایک دوسرے میں سما جانا
افرنگ	:	ولایت، مغربی دنیا
سیہ پوش	:	کالا لباس پہنے ہوئے، تاریک
لذتِ نظارہ	:	دیکھنے کا لطف، دیدار کی لذت
عالم لاہوت	:	عالم بالا، وہ مقام جہاں فرشتے رہتے ہیں
فرا موش	:	بھولا ہوا
شوخی	:	چنچل

جوہر	:	خاصیت، خوبی، قیمتی پتھر
سیماب	:	پارہ
رخصتِ تنویر	:	روشن کرنے کی اجازت
مردانِ گراں خواب	:	گہری نیند میں ڈوبے ہوئے لوگ
خاور	:	مشرق
سیراب	:	سینچا ہوا، سرسبز و شاداب
مہ و پروین	:	چاند اور تارے
خزفِ ریزہ	:	کنکری، ٹھیکری کا چھوٹا سا ٹکڑا
دُرِ ناب	:	قیمتی موتی، سچا موتی
غواص	:	غوطہ لگانے والا
غواصِ معانی	:	حقیقت کی تہہ تک پہنچنے والا عالم
پر آشوب	:	جہاں اتھل پھل مچی ہو، جہاں انتشار اور ابتری ہو
پایاب	:	کم گہرا، اُتھلا
مضراب	:	وہ آلہ جس سے ستار کے تاروں کو چھیڑا جاتا ہے
برگائے مضراب	:	مضرب سے محروم، خاموش
بیزار	:	ناخوش، بددل
خذر	:	احتیاط، پرہیز

غور کرنے کی بات

- اقبال نے اپنی شاعری کو ایک خاص پیغام اور تعلیمات کا ذریعہ بنایا۔ ان کی فکر میں حرکت و عمل کا فلسفہ ملتا ہے۔ وہ بلند ہمتی، خودداری اور سر بلندی کی تعلیم دیتے ہیں۔

- ”شعاعِ امید“، اقبال کی مشہور نظم ہے جس کو انھوں نے تمثیلی انداز میں پیش کیا ہے۔ وہ اس کے ذریعے ہندوستانی قوم کو ناامیدی اور مایوسی سے نکال کر بیدار کرنا چاہتے ہیں۔ اس نظم کا انداز بھی ان کی بعض دوسری نظموں کی طرح مکالماتی ہے۔ سورج اور اس کی ایک شوخ کرن کے درمیان مکالمے کے ذریعے ہندوستان کی سرزمین کو روشن کرنے اور اس کے باشندوں کو جگانے کی کوشش کی گئی ہے۔

سوالات

1. سورج نے اپنی کرنوں کو کیا پیغام دیا؟
2. شوخ کرن میں کیا خوبیاں ہیں؟
3. اس خاک سے ’غواصِ معانی‘ کے اٹھنے سے کیا مراد ہے؟
4. تقدیر کو رونے سے کیا مراد ہے؟

عملی کام

- اس نظم کو یاد کیجیے اور اپنے لفظوں میں اس کا خلاصہ تحریر کیجیے۔